تیارکردہ: رفعت بشیر　　جماعت: بی۔اے سال اول

مضمون: اردو

عنوان: غزل کی ہیئت اور اجزائے ترکیبی

ابتدائیہ:

غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف ہے۔ اردو شاعری میں کئی اصناف پروان چڑھیں اور ختم ہوگئیں جیسے مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ۔ اردو میں نظم نگاری کا آغاز ہوا تو کچھ عرصے کیلئے غزل پیچھے پڑ گئی لیکن ختم نہیں ہوئی۔ پھر غزل کا احیا ہوا تو وہ دیگر تمام اصناف پر سبقت لے گئی۔ گذشتہ برسوں میں اردو شاعری میں کئی اضافہ ہوا لیکن کوئی بھی صنف غزل کی جگہ نہ لے سکی۔

پیشکش:

غزل عربی زبان کے لفظ 'غزال' سے مُشتق ہے جسکے معنی ہرنی کے ہیں۔ غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا۔ عورتوں کی باتیں کرنا اور حسن و عشق کی باتیں کرنا۔ اصطلاحی معنوں میں غزل شاعری کی اس صنف کو کہتے ہیں جس میں حیات و کائنات کا کوئی بھی موضوع پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن آغاز میں اسکو اسکے لغوی معنی تک ہی محدود رکھا گیا تھا اور صرف حسن و عشق کی باتیں ہی اس میں پیش کی جاتی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمام موضوعات اس میں برتے گئے۔

ہئیت کے لحاظ سے غزل شاعری کی اس صنف کو کہتے ہیں جسکے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ، ہم ردیف اور ہم بحر ہوں اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے پہلے شعر کے قافیہ ردیف اور بحر میں ہوں اور غزل کے تمام اشعار ایک ہی قافیہ، ردیف اور بحر میں ہوتے ہیں۔ مثلاً

ہستی اپنی حباب کی سی ہے　　یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اسکے لب کی کیا کہیئے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
بار بار اسکے در پہ جاتا ہوں　　حالت اب اضطراب کی سی ہے
میں جو بولا کہا کہ یہ آواز　　اسی خانہ خراب کی سی ہے
میؔر انیم باز آنکھوں میں　　ساری مستی شراب کی سی ہے

اس غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ، ہم ردیف اور ہم بحر ہیں اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے اسی قافیہ اور ردیف میں ہیں۔ پہلے شعر میں 'حباب' اور 'سراب' قافیے اور 'کی سی ہے' ردیف۔ باقی اشعار میں گلاب، اضطراب، خراب، شراب۔ قافیے اور 'کی سی ہے' ردیف۔

غزل کا پہلا شعر جسکے دونوں مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوں مطلع کہلاتا ہے مثلاً اوپر والی غزل کا پہلا شعر:

؎ ہستی اپنی حباب کی سی ہے یہ نمائش سراب کی سی ہے

اگر مطلع کی تکنیک شاعر دوسرے شعر میں بھی اپنائے تو اسکو حسن مطلع یا زیب مطلع یا مطلع ثانی کہتے ہیں۔ مطلعوں کی تعداد مقرر نہیں۔ شاعر جتنے مطلع چاہے کہہ سکتا ہے۔ مثلاً

؎ کہتے ہو نہ دیں گے ہم ' دل اگر پڑا پایا

دل کہاں کہ گم کیجئے؟ ہم نے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا

درد کی دوا پائی ' درد بے دوا پایا

اگر شاعر نے تیرے شعر میں بھی یہی تکنیک اپنائی تو مطلع ثالث' چوتھے میں مطلع ربع وغیرہ وغیرہ مثلاً

؎ تماشائے دیر وحرم دیکھتے ہیں تجھے ہر بہانے سے ہم دیکھتے ہیں

ہماری طرف اب وہ کم دیکھتے ہیں وہ نظریں نہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں

زمانہ کے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں ہمیں جانتے ہیں جو ہم دیکھتے ہیں

غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے مقطع کہلاتا ہے مثلاً

؎ میؔر ان نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے۔

غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے یعنی ہر شعر ایک مکمل موضوع پیش کرتا ہے۔ جیسے اوپر والی غزل میں پہلے والے شعر میں دنیا کی بے ثباتی' دوسرے میں محبوب کے حسن کا بیان ہے اور تیسرے میں عاشق کی بدحالی یا خستہ حالی کا۔ غزل کا فن اشاروں کنایون کا فن ہے یعنی شاعر کو اپنا موضوع چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو دو مصرعوں میں پورا کرنا ہوتا ہے اسلئے وہ اشاروں کنایوں سے کام لیتا ہے۔ اسکے لیئے وہ دو تکنیکوں یا تدبیروں کو اختیار کرتا ہے۔ ایک ضبعتوں کا استعمال مثلاً تشبیہات' استعارات' تلمیحات وغیرہ اور دوسری تدبیر یہ کہ وہ کچھ شعر میں کہتا ہے اور کچھ قاری کے تخیل پہ چھوڑ دیتا ہے۔ جو کچھ وہ شعر میں پیش کرتا ہے اسکو مذکور اور جو چھوڑ دیتا ہے اسکو محذوف کہتے ہیں۔ مثلاً:

پہلی تدبیر کیلئے:

؎ ہستی اپنی حباب کی سی ہے یہ نمائش سراب کی سی ہے

دوسری تدبیر کیلئے:

؎ تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم میرا سلام کہیو نامہ بر اگر ملے

غزل کیلئے قافیہ اور بحر ضروری ہے ان کے بنا غزل کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ردیف' مطلع اور مقطع کے بغیر بھی غزلیں لکھیں گئیں۔ اگر کسی غزل میں ردیف استعمال نہیں کیا گیا ہو تو اسکو غزل غیر مردف کہتے ہیں مثلاً:

؎نہ گل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز

اور جس میں ردیف بھی ہو اسکو مردف غزل کہتے ہیں مثلاً:

؎دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اگر کسی غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف نہ ہوں تو ایسی غزل میں مطلع نہیں پایا جاتا اور اسکو ناقص المطلع کہیں گے مثلاً:

؎میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

یہ غزل کا پہلا شعر ہے لیکن ہم قافیہ وہم ردیف نہیں اسلئے مطلع نہیں کہہ سکتے۔اسی طرح اگر غزل کے آخری شعر میں شاعر نے تخلص استعمال نہ کیا ہو تو اسکو ناقص المقطع غزل کہیں گے مثلاً:

؎اب گئے اسکے جز افسوس نہیں کچھ حاصل!

حیف صد حیف کچھ قدر نہ جانی اسکی

آخری شعر لیکن تخلص کا استعمال نہیں کیا گیا۔اسلیئے مقطع نہیں کہہ سکتے۔

غزل کے سب سے بہترین شعر کو 'بیت الغزل' یا شاہ بیت کہتے ہیں۔مثلاً مومنؔ کی ایک غزل کا یہ شعر:

؎تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مطلع اور مقطع کے بغیر غزل کے باقی اشعار فرد کہلاتے ہیں۔غزل کی دو قسمیں ہیں: غزل مسلسل اور غزل غیر مسلسل۔جس غزل کے تمام اشعار ایک ہی موضوع پیش کریں اسکو غزل مسلسل کہتے ہیں مثلاً مومنؔ کی یہ غزل:

؎وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو وہی یعنی وعدہ نبھاہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اور جس غزل کے تمام اشعار جداگانہ مضمون کے حامل ہوں اسکو غزل غیر مسلسل کہتے ہیں۔مثال کیلئے میرؔ کی اوپر والی غزل۔

غزل کے اجزائے ترکیبی:

مسعود حسین خان نے غزل کے پانچ اجزاء مقرر کیئے اور تقریباً تمام ناقدوں کا اس پر اتفاق ہے۔وہ یہ ہیں:

مطلع، مقطع، قافیہ، ردیف اور بحر

ا۔مطلع: مطلع کے لغوی معنی طلوع ہونے کی جگہ ہے۔لیکن شاعری یا غزل میں پہلے شعر کو جسکے دونوں مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوں۔

مثلاً:

؎دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

۲۔مقطع: مقطع کے لغوی معنی قطع کرنا یا کاٹنا ہے۔لیکن اصطلاح شعر میں غزل کے آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ مثلاً:

؎میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

۳۔قافیہ: قافیہ کے لغوی معنی پیچھے پیچھے آنا ہے۔اصطلاح شعر میں قافیہ اس لفظ کو کہتے ہیں جو شاعر اپنے شعر میں آخر پر لیکن ردیف سے پہلے بار بار استعمال کرتا ہے۔مطلع کے دونوں مصرعوں اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے میں بار بار آتا ہے۔مثلاً:

؎ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اس شعر میں 'ہوا اور دوا' قافیے ہیں۔

۴۔ردیف: ردیف کے لغوی معنٰی پیچھے پیچھے یا سوار ہے۔اصطلاح شعر میں ردیف اس لفظ یا الفاظ کو کہتے ہیں جو شاعر اپنے شعر میں آخر پر لیکن قافیہ کے بعد بار بار استعمال کرتا ہے۔مطلع کے دونوں مصرعوں اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے میں بار بار آتا ہے مثلاً اوپر والے شعر میں ''کرے کوئی'' ردیف ہے۔جو مطلع کے دونوں مصرعوں میں اور فرد کے دوسرے مصرعے میں بار بار آیا ہے۔

۵۔بحر: بحر پیمانے کو کہتے ہیں جس سے شاعری کا وزن کیا جاتا ہے مثلاً:

بحر متقارب فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فع

میرؔ کی یہ غزل اس بحر میں ہے۔

؎الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

تیار کردہ: رفعت بشیر　　　　　　　　　　　　　　　　جماعت: بی۔اے سال اول

مضمون: اردو

عنوان: ادبی اصطلاحات

ابتدائیہ:

ادب کا شمار فنوں لطیفہ میں ہوتا ہے۔اس میں جذبہ، احساس، فکر اور دانش کو لطافت اور نزاکت کے ساتھ لفظوں میں پیش کیا جاتا ہے۔اور اس میں لطافت ونزاکت پیدا کرنے کیلیئے مختلف صنعتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔صنعتوں سے ادب کا جمالیاتی حسن نکھرتا ہے اور تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے۔اسلیئے تمام ادباء اور شعراء ان کا سہارا لیکر اپنے کلام وموضوع کو دلکش، حسین اور پر تاثیر بناتے ہیں تا کہ قاری اور سامع متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔اسلیئے زبان وادب کے طالب ان سے آشنا ہونے چاہیئے۔اسلیئے یونیورسٹی نے آپ کے نصاب میں ایک یونٹ ادبی اصطلاحات کا رکھا ہے۔تو سب سے پہلی اصطلاح جو آپکے نصاب میں ہے وہ تشبیہہ ہے۔

ا۔تشبیہہ: جب ایک چیز کو کسی وصف کی بنا پر دوسری چیز سے مشابہت دی جاتی ہے تو اسکو تشبیہہ کہتے ہیں۔یہ وِصف برابری کا نہیں ہوتا، کم یا زیادہ بھی ہوتا۔مثلاً

؎نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے۔

اس شعر میں 'لب' کو'' گلاب کی پنگھڑی'' سے تشبیہہ دی گئی ہے۔یہ مشابہت نزاکت، کے وصف کے بنا پر دی گئی۔اگرچہ گلاب کی پنگھڑی میں یہ وصف زیادہ زیادہ ہے بہ نسبت کہ لب کے۔

ارکان تشبیہہ:

ا۔مشبہّ: جس کو تشبہہ دی جائے۔اس شعر میں ''لب'' مشبہّ ہے۔

۲۔مشبہ بہ: جس سے کسی چیز کو تشبیہہ دی جائے اوپر والے شعر میں گلاب کی پنکھڑی مشبہ بہ ہے۔

۳۔وجہ تشبیہہ: وہ خصوصیت جس کی وجہ سے تشبیہہ دی گئی۔شعر میں ''نزاکت'' وجہ تشبیہہ ہے۔

۴۔غرض تشبیہہ: جس مقصد سے تشبیہہ دی گئی۔یہاں غرض تشبیہہ لب کی نزاکت کو ظاہر کرنا ہے۔

۵۔حروف تشبیہہ: وہ حروف جن کے ذریعے مشابہت دکھائی جاتی ہ۔اس شعر میں '' کی سی'' حروف تشبیہہ ہے۔

۲۔استعارہ: استعارہ کے لغوی معنی عاریتاً مانگنا۔اصطلاحی معنوں میں اگر کسی لفظ کے مجازی معنی مراد ہوں اور مجازی وحقیقی معنی میں تشبیہہ کا تعلق ہو تو اس کو استعارہ کہتے ہیں جیسے

؎ہوں گرفتار الفت صیّاد　　　　ورنہ باقی ہے طاقت پرواز

اس شعر میں ''صیّاد'' کا لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔کیونکہ اس کو مجازی معنیٰ (محبوب) میں استعمال کیا گیا ہے۔لیکن شاعر اسکو جبھی محبوب کے معنیٰ میں استعمال کر سکا۔جب اسکے مجازی اور حقیقی معنیٰ میں تشبیہہ کا تعلق ہے۔کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ محبوب کو شکاری کے ساتھ

مشابہت دی جاتی ہے۔ کیونکہ دونوں کا وصف پھنسانا ہے۔ شکاری کا پرندوں کو اور محبوب کا عاشقوں کو۔

ایک اور مثال:

؎ پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اس شعر میں بھی پتا، بوٹا، گل اور باغ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں۔

۳۔ مجاز مرسل: اگر کسی لفظ کے مجازی معنی مراد ہوں اور اسکے حقیقی اور مجازی معنی میں تشبیہہ کے سوا کوئی تعلق ہو تو اس کو مجاز مرسل کہیں گے جیسے

سارے گھر کو تیرے بیمار نے سونے نہ دیا

اس مصرعے میں ''گھر'' کو بطور مجاز مرسل استعمال کیا گیا ہے ''گھر'' کو گھر والوں کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے شاعر اسکو جبھی گھر والوں کے معنٰی میں استعمال کر سکا کیونکہ ن کے درمیان تعلق ہے کہ گھر والے گھر میں رہتے ہیں۔ لیکن یہ تعلق تشبیہہ کا تعلق نہیں ہے۔

مجاز مرسل کی چند قسمیں یہ ہیں:

ا۔ کل کہہ کر جز مراد لینا:

؎ تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بے باک ہو جانا میرا
اور تیرا دانتوں میں وہ اُنگلی دبانا یاد ہے

۲۔ جز کہہ کر کل مراد لینا:

؎ سنگ پھینکے ہے مری قبر پہ گُل کے بدلے
گالیاں دے ہے پسِ مرگ بھی قل کے بدلے

یہاں 'قُل' جز ہے سورۃ اخلاص کی پہلی آیت کا

۳۔ سبب کہہ کر مسبب مراد لینا:

؎ جوانی اور پیری ایک رات اک دان کا وقفہ ہے
خمار و نشہ میں دونوں کو کھویا ہائے کیا سمجھے

خمار و نشہ سبب ہے غفلت کا۔ غفلت کہنے کے بجائے اس کے سبب کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ مسبب کہہ کر سبب مراد لینا:

؎ ہر ایک خار ہے گل، ہر گل ایک ساغر عیش
ہر ایک دشت چمن، ہر چمن بہشت نظیر

۵۔ظرف کہہ کرظرف مراد لینا:

؎ پلا ساقیا ساغر بے نظیر پھنسی دام میں بدر منیر

ساغر ظرف ہے۔ساغر سے شراب مراد ہے۔شراب مظروف ہے۔

۶۔مظروف کہہ کرظرف مراد لینا:

؎ تری چشم مست سے ساقیا نہ سیاہ مستِ جنوں ہوا کے مئے دو آتشہ طاق پر چودھری تھی یوں ہی دھری رہی

طاق پر شیشہ رکھا گیا ہے شیشے کے بجائے مئے دو آتشہ کہا گیا ہے جو مظروف ہے۔

۴۔کنایہ:

لغت میں پوشیدہ بات کہنے کو کنایہ کہتے ہیں۔علم بیان میں کنایہ وہ لفظ یا الفاظ ہیں جو حقیقی معنوں میں استعمال نہ ہوں بلکہ ان سے غیر حقیقی معنی مراد ہوں۔لیکن حقیقی معنی بھی مراد لیئے جا سکتے ہیں:

؎ اس چمن میں طائرِ کم پر اگر میں ہو تو کیا دور ہے صیّاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے۔

اس شعر میں ''طائرِ کم پر''بطور کنایہ استعمال ہوا ہے۔یعنی کم اڑنے والا۔

لیکن ہم حقیقی معنی بھی مراد لے سکتے ہیں پروں کا مقدار تھوڑا ہونا

؎ صبح آیا جانب مشرق نظر اک نگار آتش رُخ سر کھلا

اس شعر میں ''نگار آتش رُخ''بطور کنایہ استعمال ہوا ہے۔یعنی بہادر شاہ ظفر

لیکن ہم حقیقی معنی بھی مراد لے سکتے ہیں 'سورج' اسکے اوصاف بھی 'سر کھلا' اور مشرق کی طرف نکلتا ہے۔